پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈاور علماء کے تحفظات : واقعاتی پس منظر میں

Pakistan Madrasa'h Education Board and Reservations of Ulemā: A Retrospective Study

ڈاکٹر نیاز محمد *

پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد خان **

ABSTRACT:

The ultimate goal of an education system is to produce a better citizen and create a better society. In this regard, it is the responsibility of state to design its education system on sound grounds. In Pakistan, there is dual education system, modern education system and traditional Madrasah system. Modern education system prepares its students on the bases of western education pattern while Madāris develop their students in the light of their own respective schools of thought. Thus, the two educational systems are producing two different categories of graduates, leading to imbalance and intoālerance in the society. To bridge this gap between the two systems and to make the education system harmonious, the government has passed "Pakistan Madrasa'h Education Board Ordinance". Three model Madāris have been set up as a pilot project in Karachi and Sakkar for boys and in Islamabad for girls. It was supposed to be extended in other cities as well but due to the reservations of Ulamā' and their bitter opposition, the process did not get due attention among the public. In this paper, the authors will try to bring out the Ulamā's reservations on "Pakistan Madrasah Education Board" in order to bring forth the policy suggestions for the betterment of the program.

تمہید:

اسلام میں دین و دنیا کی تفریق نہیں اور اسلامی نظام حیات دین و دنیا دونوں کی صلاح و فلاح پر مشتمل ہے، آخرت کا راستہ دنیا ہی سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس عقیدہ اور نصب العین سے اسلامی نظام تعلیم

---

* ڈائریکٹر سنٹر فار ریلیجس سٹڈیز کوہاٹ یونیورسٹی

** ڈائریکٹر شیخ زاید مرکز اسلامی، پشاور یونیورسٹی

بھی مستثنیٰ نہیں چنانچہ تعلیم میں دینی و دنیاوی علوم کے درمیان عنادی تعلق پر مبنی کوئی تفریق روا نہیں رکھی گئی۔

عالم اسلام پر مغربی استعمار کے تسلط سے پہلے مسلمانوں کا نصاب تعلیم بہر حال علوم دینیہ و دنیویہ پر مشتمل وحدانی رنگ لئے ہوئے تھا۔ آج کی طرح دینی و دنیوی علوم کی تدریس کے لئے الگ الگ نظام وجود نہیں رکھتے تھے جو ایک دوسرے سے مکمل طور پر الگ تھلگ ہوں چنانچہ اس جامع نظام تعلیم کی بدولت مسلمانوں میں جہاں نامور مفسر، محدث، فقیہ، مجتہد اور صوفی بزرگ پیدا ہوئے وہاں فارابی (متوفی: 950ء)، ابن مسکویہ (متوفی: 1030ء)، ابن طفیل (متوفی: 1185ء)، ابن رشد (م: 1198ء) اور غزالی (م: 1111ء) جیسے فلسفی متکلم بھی پیدا ہوئے۔ البیرونی (م: 1048ء) اور خوارزمی (م: 850ء) جیسے علماء ہیئت و ریاضی بھی اسی جامع نظام تعلیم کی پیداوار تھے۔ ابن الہیثم (م: 1040ء) اور جابر بن حیان (م: 813ء) جیسے سائنس دان؛ ابن سیناء (م: 1037ء)، رازی (م: 923ء) اور زہراوی (م: 1013ء) جیسے طبیب و جراح؛ ماوردی (م: 1058ء) اور نظام الملک طوسی (م: 1092ء) جیسے فضلاء آداب سیاست و حکمرانی اور تاریخ کے بے شمار سیاسی و عسکری مدبر اسی نظام کی تخلیق تھے[1]۔ یہی کچھ صورت حال برصغیر غیر منقسم ہندوستان ā کی تھی چنانچہ مسلمانوں کے دور عروج تک نظام تعلیم میں ثنویت کو دراندازی نہیں ملی تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ ہندوستانی نظام تعلیم میں شہریت، معاشیات، فلکیات، طبعیات، حساب اور طب بلکہ علامہ شبلی نعمانی (م: 18 نومبر 1914ء) کے مطابق موسیقی تک کو نصاب کا حصہ بنادیا گیا تھا حالانکہ آج موسیقی کا بطور فن نام لینا بھی گناہ ہے[2]۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل، استاذ اور بعد ازاں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے شعبہ دینیات کے سربراہ مشہور اسلامی مؤرخ مناظر احسن گیلانی (متوفی: 5 جون 1956) کی تصریح کے مطابق ہندوستان کے کئی علماء کا فن موسیقی سے مناسبت کے تذکرے کتب تراجم میں ملتے ہیں، چنانچہ مشہور صوفی بزرگ و شاعر حضرت امیر خسرو موسیقی کے بھی ماہر استاذ تھے، مغل شہنشاہ اکبر کے دور (1556ء-1657ء) کے مشہور مؤرخ ملا عبدالقادر بدایونی (م: 1615ء) کو بھی موسیقی سے تعارف تھا بلکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م: 1239ھ) کا شمار بھی فنی حیثیت سے موسیقی کے ماہرین میں ہوتا تھا[3]۔

نظام تعلیم میں ثنویت کا آغاز اور اس کے اثرات:

ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے بعد اسلامی نصاب تعلیم کی وحدت و جامعیت برقرار نہیں رہی بلکہ ثنویت کا شکار ہوئی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی کے بعد ہندوستان پر مسلمانوں کا

اقتدار مکمل ختم ہوگیا اور اس جنگ کے بعد انگریز سرکار کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کئی ایک انتقامی کارروائیاں ہوئیں [4]۔ برطانوی حکومت نے انتظامی، مالیاتی اور عدالتی نظام کو مکمل طور پر تبدیل کیا اور برصغیر ہند و پاک میں اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے اپنے مخصوص مفادات کا حامل لارڈ میکالے Lord Thomas Babington Macaulay(م: 1859ء) کا تیار کردہ نظام تعلیم رائج کیا۔ نئے نظام کے تحت بہت سے پرائمری سکول اور ثانوی تعلیم کے ادارے قائم ہونے لگے۔ 1857ء میں "انڈین یونیورسٹیز ایکٹ" پاس ہونے سے کئی یونیورسٹیاں بھی قائم ہوئیں۔ اس طرح پرائمری، ثانوی اور یونیورسٹیوں کی اعلیٰ تعلیم سے نئے تعلیمی نظام کو مکمل نشو و نما کا موقع ملا اور مغربی طرز کی اعلیٰ تعلیم فروغ پانے لگی۔

تعلیم کا سابقہ نظام جو برصغیر ہند و پاک میں مسلمانوں کے ہزار سالہ دور حکومت میں مکمل آزادی کی فضا میں پرورش اور نشو و نما پا رہا تھا اور ہر ایک کے لئے مساوی تعلیم کے مواقع فراہم کرتا تھا، یہ تعلیم مساجد، خانقاہوں اور عام مدارس میں دی جا رہی تھی۔ مدارس و مکاتب کے لئے اہل خیر اور مغل حکمرانوں کی عطا کردہ جائدادیں اور جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور اس طرح 1857ء سے پہلے کا تعلیمی نظام مکمل طور پر تتر بتر ہو کر رہ گیا۔ اب انگریز حکمرانوں نے مسلمانوں کے پرانے تعلیمی نظام کی بساط مکمل طور پر لپیٹ کر رکھ دی [5]۔ اس کے ساتھ دفتری زبان بھی فارسی کی بجائے انگریزی قرار دی گئی، دفتری زبان انگریزی قرار دینے یعنی Medium of Instruction کی تبدیلی سے مقامی علمی و تعلیمی زبان کی قدر و قیمت گر گئی، شاید یہی دور ہے کہ سابقہ دفتری اور علمی زبان فارسی کے متعلق یہ محاورہ زبان زد عام ہوگیا کہ "پڑھو فارسی بیچو تیل"۔ حکومت کے تمام سرکاری و نیم سرکاری ملازمتوں کے لیے صرف جدید نظام تعلیم کے تربیت یافتہ افراد کے قبول کئے جانے کے عمل سے لوگوں کی اکثریت انہی سرکاری تعلیمی اداروں کی طرف چل پڑی، مذہبی طبقے کی ناقدری کے لئے عوام الناس کے سامنے یہ نیا محاورہ لایا گیا کہ "ملّا کی دوڑ مسجد تک"۔

نئے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے تعلیمی ضروریات کے دو حصوں میں تقسیم ہو جانے کے بعد اہل دانش نے مستقبل کی طرف توجہ دی۔ سر سید احمد خان (م: 27 مارچ 1898ء) اور ان کے رفقاء نے ایک محاذ سنبھال لیا اور دفتری و عدالتی نظام میں مسلمانوں کو شریک رکھنے کے لئے 1875ء میں علی گڑھ میں انگریزی تعلیم کے کالج کا آغاز کیا تاکہ مسلمانوں کو جدید علوم، سائنس، ٹیکنالوجی اور تحقیقات سے بہرہ ور کیا جائے اور انہیں معاصر اقوام کی ترقی سے ہم آہنگ کرنے کی جد و جہد کی جائے۔ دوسری طرف دینی تعلیم کا محاذ فطری طور پر علمائے کرام کے حصے میں آیا اور اس سلسلے میں سبقت اور پیش قدمی کا اعزاز مولانا

محمد قاسم نانوتوی (م:1880ء) اور ان کے رفقاء کو حاصل ہوا جنہوں نے صرف اپنے ذمہ یہ کام لیا تھا کہ وہ دینی علوم و روایات کا تحفظ کریں گے اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے نشانات کو باقی رکھتے ہوئے اسے حملہ آور تہذیب میں ضم ہونے سے بچائیں گے جس کے لئے انہوں نے دیوبند میں 1866ء میں مدرسہ عربیہ کی بنیاد رکھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ سر سید احمد خان اور مولانا محمد قاسم نانوتوی دونوں ایک ہی استاذ مولانا مملوک علی نانوتوی (م:1851ء) کے شاگرد تھے اور دونوں نے مختلف سمتوں میں تعلیمی سفر کا آغاز کیا جو آگے چل کر دو مستقبل تعلیمی نظاموں کی شکل اختیار کر گئے[6]۔

دونوں مکاتب فکر نے مکمل خلوص کے ساتھ اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق اپنے اپنے میدانوں میں قوم کی خدمت کی تاہم نیا نظام تعلیم متعارف کرانے کے نتیجے میں مسلمانوں کا تعلیمی نظام تقسیم ہو گیا، دینی اور دنیاوی علوم کے لئے دو الگ الگ ادارے وجود میں آئے، سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں میں دنیاوی علوم پڑھانے جانے لگے اس وجہ سے وہاں علوم دینیہ سے بیگانگی آئی اور مدارس دینیہ میں خالصتاً دینی علوم پڑھائے جانے لگے اس وجہ سے وہ جدید مروجہ علوم سے لاتعلق رہے اور یوں دونوں شعبوں میں دوری آتی گئی۔ مذکورہ بالا صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ نظام تعلیم میں وحدت نہ رہی، وہ دو ایسی دھاریوں میں تقسیم ہو گیا جو متوازی تو چلتے ہیں لیکن آپس میں ملتے کبھی نہیں۔ علامہ مناظر احسن گیلانی [م: 5 جون 1956ء] اس صورتحال کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "آج کل تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ایک کا نام دینی علوم دوسرے کا نام دنیوی علوم رکھا گیا ہے، دونوں کی تعلیم گاہیں الگ الگ ہیں۔ دونوں کا نصاب جدا جدا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر نصاب کے پڑھنے والے اُس نصاب اور اُس کے آثار سے بیگانہ ہیں جسے انھوں نے نہیں پڑھا ہے۔ ملک میں لکھے پڑھے طبقہ کی دو مستقل جماعتیں ہو گئی ہیں امتیاز کے لئے ایک کو علماء اور دوسرے کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں۔ دونوں کا دعویٰ ہے کہ عام مسلمانوں کی رہنمائی کا حق انہی کو حاصل ہے۔۔۔ مسٹر یا مولانا یا لیڈر اور علماء، تعلیم یافتہ یا مولوی؛ بتدریج ان دونوں الفاظ میں کشمکش بڑھتی چلی جا رہی ہے ہر ایک دوسرے کے وجود سے بیزار ہے۔ فسق، الحاد اور بے دینی کا الزام علماء تعلیم یافتوں پر عائد کر رہے ہیں، تاریک خیالی، ابلہی اور ناواقفیت کی تہمتیں علماء پر تعلیم یافتوں کی طرف سے جوڑی جا رہی ہیں اور جو کچھ بھی

اس کشمکش میں ایک کا رویہ دوسرے کے ساتھ چالیس پچاس سال سے ہے دن بدن یہ کشمکش بڑھتی چلی جارہی ہے"[7]۔

وحدت تعلیم کی ضرورت اور ثنویت کے نقصان پر سب سے زیادہ فکر انگیز ڈاکٹر محمود احمد غازی کا درج ذیل تبصرہ ہے:

"تعلیم کی وحدت ،نظام تعلیم کی یکسانیت اور یکجہتی ، ملت اسلامیہ کی یکسانیت، یکجہتی اور یک رنگی کے لئے ایک لازمی شرط ہے۔ ایسی ہر صورت حال جس سے مسلمان دو مختلف طبقوں یا ایک سے زائد طبقوں میں تقسیم ہو جائیں۔وہ طبقے تعلیم کے نام پر قائم کیے جائیں، وہ طبقے کسی کی آمدنی کے نام پر قائم کئے جائیں یا رنگ اور نسل کی بنیاد پر قائم کئے جائیں۔ان تمام طبقوں کی بنیاد پر الگ الگ تعلیمی، دینی اور مذہبی اداروں کا وجود اسلام کے مزاج کے خلاف اور غیر اسلامی ہے۔اس لئے میں ذاتی طور پر یہ سمجھتا ہوں کہ ملک میں دینی تعلیم اور غیر دینی تعلیم کے جداگانہ اور بالکل الگ الگ ادارے جس انداز سے قائم ہیں، اس سے ملک کی وحدت اور یکجہتی متاثر ہو رہی ہے۔ اس سے روزانہ آنے والا ہر لحہ اور ہر صبح طلوع ہونے والا سورج ملک میں دوئی، ثنویت اور افتراق کے جراثیم لے کر آرہا ہے۔ اگر اجازت دی جائے تو سخت الفاظ استعمال کرنا چاہتا ہوں کہ یہ دوئی سیکولرزم کے فروغ میں ممد و معاون ثابت ہو رہی ہے۔ ہم نے بطور قوم اور ملک غالباً اس بات کو عملاً قبول کر لیا ہے، یا کم از کم ہم میں بہت سے لوگوں نے قبول کر لیا ہو کہ دین اور دنیا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دین کے مقاصد کی خاطر فلاں اداروں میں لوگ تیار ہوں گے اور دنیا کے مقاصد کی خاطر فلاں اداروں میں تیار ہوں گے۔ میں انتہائی ادب سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دین و دنیا کی اسی ابتدائی فکری اور نظری تفریق کی بنیاد پر سیکولرزم کی عمارت استوار ہوتی ہے"[8]۔

دونوں (دینی اور دنیاوی تعلیم) کے یک رخے پن کا احساس ان اداروں (علی گڑھ و دیوبند) کے قیام کے فوراً بعد ہی ہو گیا تھا چنانچہ 1894ء میں ندوۃ العلماء کا قیام اسی ثنویت کے علاج کا ایک مظہر تھا، ندوۃ العلماء کا تجربہ طبقہ علماء کی طرف سے اس امر کا برملا اعتراف تھا کہ جدید سے مکمل صرف نظر کر کے محض قدیم کے تحفظ اور تسلسل سے دور جدید کی ضروریات پوری نہیں کی جاسکتیں پھر 1920ء میں جامعہ

ملیہ کا قیام بھی اسی احساس کا نتیجہ تھی۔ بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی: ندوۃ العلماء ایک نیا دیوبند تھا جس پر علی گڑھ کی گہری چھاپ تھی اور جامعہ ملیہ نیا علی گڑھ تھا جس نے دیوبند کے زیر اثر جنم لیا[9]۔

قیام پاکستان کے بعد ایک اسلامی نظریاتی مملکت کے قیام کے لئے جہاں مروجہ نظام تعلیم میں آزاد اسلامی ریاست کے تقاضوں اور ضرورت کے مطابق بنیادی انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت تھی، وہاں دینی مدارس کے نظام کو بھی ان تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے قدیم نصاب اور طرز تعلیم پر نظر ثانی کی ضرورت سے انکار بھی غیر منطقی بات تھی چنانچہ 1940ء میں قرارداد پاکستان کے منظور ہونے کے فورا بعد قائد اعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر علامہ سید سلیمان ندوی (م: 22 نومبر 1953ء) کی سربراہی میں مولانا عبدالماجد دریابادی (م: 1977ء)، مولانا عبد الباری ندوی (م: 30 جنوری 1976ء)، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (م: 22 ستمبر 1979ء) وغیرہ اہل علم و ماہرین تعلیم پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی، اس کمیٹی کے ذمے یہ کام تھا کہ معرض وجود میں آنے والی نئی ریاست کے لئے تعلیم و ثقافت کا ایسا نظام وضع کرے جس کے بموجب نئی ریاست کو اسلامی تقاضوں پر اور اس کے نظام تعلیم کو اسلامی تقاضوں کے مطابق نئے انداز سے مرتب کیا جاسکے۔ تاہم کمیٹی کو یا تو کام کرنے کا موقع ہی نہ ملا یا اس کی رپورٹ ہی سامنے نہیں آئی[10]۔

قیام پاکستان کے فوری بعد بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر پہلی تعلیمی کانفرنس (27 نومبر یا یکم دسمبر 1947ء) وزیر تعلیم فضل الرحمٰن کی زیر صدارت ہوئی۔ اس کانفرنس کے تحت پاکستانی نظام تعلیم کو اسلامی نظریہ حیات سے ہم آہنگ کرنے اور اسکولز و کالجز میں دینی تعلیم کا فیصلہ کیا گیا دوسری طرف یہ بنیادی ضرورت بھی تسلیم کی گئی کہ دینی مدارس کے اتحاد اور معاصرانہ ضروریات سے عہدہ براں ہونے کے لئے ان کی صلاحیتوں اور وسائل میں اضافہ ہونا چاہیے[11]، لیکن اس کے لئے کسی عملی اقدامات کی نشاندہی کی گئی اور نہ ہی دینی مدارس اور جدید عصری اداروں کی دوری کو ختم کرنے کی کوئی قابل عمل و قابل قبول پالیسی دی گئی جب کہ تحریک پاکستان میں حصہ لینے والے علماء کو توقع تھی کہ قدیم وجدید دونوں تعلیمی نظاموں کو یکجا کرکے ایک ایسا جدید ترین نظام تعلیم یقینا مرتب کیا جائے گا جس میں دین و دنیا دونوں کے علوم متناسب مقدار میں جمع کردیئے جائیں گے[12]۔

وحدت تعلیم کے اسلامی تصور کی عملیت اور دینی و دنیوی تعلیم کے امتزاج کے اہم تعلیمی تجربات میں سابق ریاست بہاولپور کی جامعہ عباسیہ ایک مفید کاوش تھی جو 1926ء میں قائم کیا گیا تھا، اس کے ساتھ اسی نہج پر "رفیق العلماء" کے نام سے پوری ریاست میں مدارس کا ایک سلسلہ تھا، جامعہ عباسیہ اور

رفیق العلماء سے فارغ ہونے والوں میں جید علماء بھی تھے، مفتی اور قاضی بھی، صحافی اور سیاست داں بھی ۔جامعہ عباسیہ اور رفیق العلماء کے نصاب تعلیم اور نظام تدریس نے معاشرے کو ہمہ جہت افراد مہیا کئے۔ محکمہ اوقاف کے زیر نگرانی اس ادارے نے جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے نام سے مختلف علوم اسلامی میں ایم اے کی سطح کے الگ شعبوں کے قیام اور مختلف مکاتب فکر کے جید علماء کو یونیورسٹی میں جمع کرکے ایک نئے تعمیری رجحان کا آغاز کیامگر افسوس ہے کہ حکومت پنجاب کے محکمہ تعلیم کی طرف سے اسے یونیورسٹی کا باقاعدہ چارٹر ملنے کے بعد یہ ادارہ (جس سے خاصی امیدیں وابستہ تھیں) اسلامی نظام تعلیم کا ایک مثالی (ماڈل) ادارہ بننے کی بجائے، دوسری عام یونیورسٹیوں کی طرح محض ایک تقلیدی و روایتی یونیورسٹی میں تبدیل ہو کر رہ گیا[13]۔

مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا قیام (دینی و دنیوی تعلیم میں ہم آہنگی کے لئے عملی اقدام):

پاکستان کی تاریخ میں دینی اور دنیاوی نظام ہائے تعلیم کے درمیان وسیع خلیج کو پاٹنے اور دونوں نظاموں میں ممکنہ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے سب سے اہم اور عملی انقلابی اقدام وفاقی حکومت پاکستان کا اگست 2001ء میں پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ آرڈیننس کا اجراء ہے جس کے تحت ابتدائی مرحلہ پر نمونے کے تین مثالی مدارس قائم کئے گئے۔ایک کراچی (برائے طلباء)، ایک سکھر (برائے طلباء) اور ایک اسلام آباد میں طالبات کے لئے۔وزارت مذہبی امور وز کوۃ و عشر نے ان تینوں شہر میں واقع حاجی کیمپوں میں ان مدارس کے لئے جگہ فراہم کی نیز حکومت کا پروگرام تھا کہ دوسرے بڑے شہروں (لاہور، پشاور، ملتان اور کوئٹہ) میں بھی اسی طرز کے ماڈل مدارس قائم کئے جائیں گے۔ پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ آرڈیننس کے مطابق مدرسہ بورڈ کے قیام کے درج ذیل مقاصد گنوائے گئے[14]۔

الف: ماڈل دینی مدارس کا قیام عمل میں لانا تاکہ مدارس کے تعلیم میں ترقی اور معیارات میں یکسانیت پیدا ہو۔

ب: دینی اور عصری تعلیم میں ہم آہنگی پیدا کرنا۔

ج: دینی مدارس کا خود مختارانہ کردار باقی رکھتے ہوئے عام عصری تعلیم کے مضامین کے ساتھ متخصصانہ، جامع اور مکمل اسلامی تعلیم کو زیادہ بہتر انداز میں منظم کرنا۔

د: عام نظام تعلیم اور مدارس کے درمیان حائل خلیج کو پاٹنے کے لئے وسائل و ذرائع تجویز کرنا اور مدارس وعام نظام تعلیم کے نصاب پر نظر ثانی کرنا اور انہیں بہتر بنانا۔

توقع کی جاتی تھی کہ ملکی اور عالمی تقاضوں کے مطابق پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ اور اس کے تحت قائم ماڈل دینی مدارس دینی و دنیوی تعلیم کی ثنویت ختم کرکے ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے پرائیویٹ سیکٹر میں قائم دینی مدارس کے لئے ایک نمونہ بنیں گے اور اس طرح پاکستان کے مدارس کلچر میں ایک مثبت تبدیلی آئے گی لیکن حکومت کا علماء کو اعتماد میں نہ لینے، پرائیویٹ سیکٹر میں قائم مدارس کے مرکزی اتحاد "اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ" کی مخالفت اور منفی پروپیگنڈے، متعلقہ وزارت (وزارت مذہبی امور) کی تعلیمی میدان میں ناتجربہ کاری و سرد مہری اور متعلقہ آرڈیننس پر اس کی روح کے مطابق عمل درآمد کے لئے حکومت کا مناسب چیک اینڈ بیلنس کا انتظام نہ ہونا جیسے عوامل کے نتیجے میں تین ماڈل مدارس کے بعد مزید ایسے مدارس قائم نہیں کئے جاسکے اس طرح مفروضات پر مبنی علماء کے تحفظات، عدم تعاون کے رویے اور دیگر کئی ثانوی وجوہات کی بناپر مطلوبہ نتائج کماحقہ حاصل نہ ہوسکے۔

حکومت پاکستان نے جب پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ قائم کیا تو بورڈ کی ہیئت ترکیبی میں وزارت تعلیم و مذہبی امور کے انتظامی افسران اور اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن علماء کے علاوہ مسلکی بنیادوں پر قائم مدارس دینیہ کے تمام بورڈوں کے صدور / ناظمین کو بھی بطور ممبران بورڈ نامزد کیا گیا[15] تاکہ ان کی رہنمائی، مشاورت و معانت حاصل رہے لیکن اس کے باوجود پاکستانی علماء نے اس کا مکمل بائیکاٹ کیا اور ہر پلیٹ فارم پر اس کی بھرپور مزاحمت کی حالانکہ "مدرسہ ایجوکیشن بورڈ" کا قیام علماء کرام کا دیرینہ مطالبہ رہا تھا اور یہ تجویز و مطالبہ عرصہ دراز سے سب سے پہلے یحییٰ خان کی حکومت میں 1969ء میں علماء ہی کی طرف سے سامنے آیا تھا، چونکہ یہ ایک دلچسپ تاریخی حقیقت ہے اس لئے اس تاریخی حقیقت کو تازہ کرنے کے لئے ذیل میں قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:

جب جنرل یحییٰ خان نے حکومت سنبھالی تو انہوں نے ایئر مارشل نور خان کو تعلیم کی وزارت دی جو مغربی پاکستان کے گورنر بھی تھے۔ ان کی وزارت تعلیم نے جولائی 1969ء میں نئی تعلیمی پالیسی تشکیل دی اور اس پر تجاویز و تبصرے حاصل کرنے کے لئے اسے میڈیا میں شائع کیا۔ چونکہ اس رپورٹ کے مطابق عصری اداروں اور قدیم نظام تعلیم کے درمیان خلیج کو دور کرنے کی ضرورت بتائی گئی تھی[16] اس لئے مغربی و مشرقی پاکستان کے علماء نے نور خان رپورٹ کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ دلچسپی کی بات یہ ہے کہ دینی مدارس کے نظام تعلیم کو منظم، مضبوط اور پاکستان کے لئے زیادہ مفید بنانے کے لئے مغربی پاکستان کے علماء کی طرف سے "مدرسہ ایجوکیشن بورڈ" کے قیام کی تجویز سامنے آئی، اور مجوزہ بورڈ کے بنیادی خدوخال علماء نے وضع کئے۔ علماء نے "مدرسہ ایجوکیشن بورڈ" کے قیام کے متعلق ان تجاویز کی اہمیت پر زور دیتے

ہوئے تجاویز کے آخر میں رائے دی کہ یہ مقاصد اس قدر ناگزیر ہیں کہ اگر ان میں کسی ایک کو بھی فراموش کر دیا گیا تو تنظیم مدارس کے مقصد پر بالکل پانی پھر جائے گا اور یا تو موجودہ خلیج جوں کی توں برقرار رہے گی یا ملک میں ایک خوفناک نظریاتی خلا پیدا ہو جائے گا۔ ان تجاویز کی مشرقی پاکستان کے علماء نے بھی تائید کی اور بعد ازاں مرکزی جمعیت علماء اسلام نے بھی اپنے مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ 22تا25 اگست 1969ء میں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے قیام کے متعلق علماء کی ان تجاویز کے متعلق متفقہ قرارداد پیش کی کہ یہ اجتماع ان تجاویز کی پرزور تائید کرتا ہے اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ جلد از جلد ان تجاویز کے مطابق تعلیمی پالیسی کو عملی جامہ پہنائے تاکہ پاکستان میں جو زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے وجود میں آیا ہے صحیح اور ٹھوس بنیادوں پر تعلیمی نظام قائم ہو سکے[17]۔

مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے قیام کے لئے علماء کے ذکر کردہ تجاویز درج ذیل ہیں:

☆ دینی مدارس کو منظم کرنے کے لئے ایک آزاد اور خود مختار "مدرسہ تعلیمی بورڈ" بنایا جائے جو دینی مدارس کے ذمہ دار علمائے دین پر مشتمل ہو اس میں جدید تعلیم کے دو ماہرین کو بھی شریک کیا جائے۔

☆ ہر وہ دینی مدرسہ جو اس مدرسہ بورڈ سے ملحق ہونا پسند کرے اس کی اسناد کو منظور کیا جائے اور جو دینی مدارس اس کے ساتھ ملحق نہ ہوں ان کی اسناد غیر منظور شدہ رکھی جائیں۔

☆ جو مدارس بورڈ کے ساتھ الحاق کریں وہ اپنے یہاں ایلمنٹری کلاس (Primary Stage) تک کا ایک اسکول قائم کریں کہ اس مرحلہ تک قدیم و جدید تعلیم کا فرق ختم ہو جائے۔ دینی مدارس کے مخصوص نصاب میں وہی طلبہ داخل ہوں جو ایلمنٹری کلاس سے فارغ ہو چکے ہوں۔

☆ ایلمنٹری کے بعد دینی مدارس کے مخصوص نصاب کو چار مراحل (علوم ابتدائیہ، علوم ثانویہ، علوم عالیہ اور تخصص) پر تقسیم کیا جائے۔

☆ بورڈ اپنی صوابدید پر اس میں معاشیات، سیاسیات اور جدید فلسفہ کا اضافہ کر سکتا ہے۔

☆ یہ بورڈ کسی ہیئت حاکمہ کا پابند نہ ہو بلکہ جملہ تعلیمی امور میں خود مختار ہو وہی نصاب وضع کرے اور وہی امتحان لے کر اسناد دے۔

☆ دینی مدارس یا بورڈ کی خود مختاری کو باقی رکھنے کے لئے حکومت کی طرف سے امداد نہ دی جائے بلکہ وہ حسب سابق عوامی تعاون سے چلتے رہیں۔

☆ اس بورڈ کی دی ہوئی اسناد کو تسلیم کیا جائے اور علوم ابتدائیہ کو میٹرک، علوم ثانویہ کو انٹر، علوم عالیہ کو گریجویشن اور تخصص (عالیہ) کو ایم اے کے مساوی قرار دیا جائے۔

اس وقت کے ملک کے ابتر سیاسی حالات کی وجہ سے نور خان کمیشن کی سفارشات پر عمل درآمد نہ کیا جاسکا اور بعد میں مدارس سسٹم کے متعلق جو پالیسیاں بھی سامنے آئیں ان میں علماء کی تجاویز پر مشتمل "مدرسہ ایجوکیشن بورڈ" کا تذکرہ نہیں ملتا۔ علماء کی مذکورہ بالا تجاویز اس قدر معقول تھیں کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے ضیاء الحق کے دور حکومت میں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے قیام کے متعلق علماء کی ان تجاویز کو اپنے تعلیمی سفارشات کے مسودہ 1978ء کا باقاعدہ حصہ بنا کر حکومت کو پیش کیا[18]، صرف یہی نہیں بلکہ مثالی (ماڈل) درس گاہوں کے قیام کی یہ قرارداد منظور کر کے 1983ء میں حکومت کو ارسال کی کہ جس تعداد میں صحیح افراد (مثلاً قاضی کورٹس اور شریعت کورٹ کے لئے) مطلوب ہیں.....اس کے لئے کونسل یہ سفارش کرتی ہے کہ صوبائی حکومتیں اپنے زیر انتظام ایک ایک مدرسہ ایسا قائم کریں جن کے نصاب اور نظام تعلیم میں قدیم وجدید کا امتزاج ہو، ان مدارس کی نوعیت مثالی (ماڈل) ہوگی جن کو دیکھ کر کونسل یہ امید کرتی ہے کہ دوسرے مدارس اپنے نصاب اور نظام تعلیم میں تبدیلی کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ ان مدارس میں ایسا نصاب تعلیم مقرر کیا جائے، جو پاکستان کی موجودہ ضرورتوں کو بوجوہ احسن پورا کرسکے[19]۔

ضیاء الحق کے دور حکومت میں اسلامی نظریاتی کونسل بڑا فعال ادارہ رہا ہے اور ضیاء حکومت میں اس کی کئی ایک سفارشات پر عمل درآمد بھی کیا گیا، اس کے ساتھ ہی ضیاء الحق اور علماء کے درمیان پورے دور حکومت میں بڑے قریبی مفاہمانہ تعلقات رہے ہیں لیکن یہ قابل تحقیق اور غور طلب بات ہے کہ اس پورے دور میں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ اور ماڈل مدارس منصوبہ کیوں شروع نہ کیا جاسکا۔ اگر تمام مکاتب فکر کے سرکردہ علماء پر مشتمل مدرسہ ایجوکیشن بورڈ قائم ہوجاتا تو ملک میں موجودہ نظریاتی خلا نظر نہ آتی جس کا خدشہ علماء نے 1969ء میں "مدرسہ ایجوکیشن بورڈ" کی تجاویز کے آخر میں ظاہر کیا تھا بلکہ مسلکی بنیادوں پر منافرت اور حکومت وعلماء کے درمیان بداعتمادی کی بجائے باہمی مفاہمت پروان چڑھتی۔

شاید یہ بات باعث دلچسپی ہو کہ متحدہ پاکستان کے علماء نے 1969ء میں مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے تشکیل کی تجویز دی تھی جس پر عمل درآمد 2001ء میں ہوا لیکن مشرقی حصے نے ان تجاویز کو دل جمعی سے لیا چنانچہ 1971ء میں جب مشرقی حصہ الگ ہو کر بنگلہ دیش بنا تو 1978ء میں "بنگلہ دیش مدرسہ ایجوکیشن بورڈ" قائم ہوا جو فعال طریقے سے اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہے اور بنگلہ دیشی مدارس کی ایک بڑی تعداد سرکاری مدرسہ بورڈ سے منسلک ہے۔ ان مدارس کے فضلاء دینی علوم کے ساتھ عصری تعلیم بھی حاصل کر رہے ہیں اور معاشرہ میں اپنا بھرپور زندہ کردار ادا کر رہے ہیں بلکہ مذہبی جریدہ

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور کے مطابق سرکاری دفاتر میں ان فضلاء کی کارکردگی عصری اداروں کے فضلاء سے کہیں بڑھ کر ہے[20]۔ ترجمان القرآن کے علاوہ بنگلہ دیشی مدارس کی اچھی کارکردگی ممتاز عالم دین علامہ زاہد الراشدی کے علاوہ خود وفاق المدارس العربیہ کے آرگن "ماہنامہ وفاق المدارس" نے بھی ذکر کی ہے[21]۔

علماء کے تحفظات اور ان کا واقعاتی پس منظر:

قابل غور بات یہ ہے کہ پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا قیام 1969ء کے مشرقی اور مغربی پاکستان کے علماء کی دیرینہ تجویز کے ساتھ ساتھ ہر مکتبہ فکر کے علماء پر مشتمل اسلامی نظریاتی کونسل کی تجویز کا عملی جامہ ہے، بورڈ میں علماء کی مؤثر شرکت یقینی بنائی گئی ہے، اس کے ساتھ ہی بنگلہ دیش مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے زیر انتظام مدارس کی اچھی کارکردگی کی رپورٹیں خود پاکستانی مذہبی جرائد دے رہے ہیں لیکن جب پرویز مشرف مدرسہ ایجوکیشن بورڈ قائم کرتے ہیں تو تمام پاکستانی علماء ماڈل دینی مدارس اور مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کو پاکستان میں پھیلے ہوئے ہزاروں دینی مدارس کے آزادی اور ان کی وسیع تر افادیت پر کاری ضرب لگانے کے مترادف سمجھتے ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ اس منصوبے کو دینی مدارس کے خلاف خطرناک سازش اور مداخلت فی الدین قرار دیتے ہوئے مکمل طور پر مسترد کرتے ہیں اور تمام مساجد، مکاتب اور مسلمانوں کو لاتعلق رہنے کی اپیل کرتے ہیں[22]۔ نیز آرڈیننس کے اجراء کے محض سات دن بعد 27 اگست 2001ء کو پاکستان کے مختلف مکاتب فکر پانچوں بورڈوں (وفاق المدارس العربیہ، وفاق المدارس السّلفیہ، وفاق المدارس الشیعہ، رابطۃ المدارس اور تنظیم المدارس) کے سربراہوں کا اجلاس ہوتا ہے جس میں متفقہ طور پر یہ قرارداد پاس ہوتا ہے کہ ہم حکومت پر واضح کرتے ہیں کہ "ماڈل دینی مدارس" اور "دینی مدارس بورڈ آرڈیننس" واضح طور پر دینی مدارس اور جامعات کے خلاف سازش ہے لہٰذا ہم تمام مکاتب فکر کے پانچوں وفاق میں سے کوئی وفاق، مدرسہ بورڈ یا ماڈل دینی مدارس کی اسکیم میں شریک نہیں ہوگا اور متحدہ وفاق پاکستان سے ملحق کسی بھی مدرسہ یا جامعہ کو بھی اس بورڈ یا اسکیم میں شرکت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ نیز ہم دینی مدارس اور جامعات کی آزادی اور خود مختاری کا ہر قیمت پر تحفظ کریں گے چاہے وہ مالی خود مختاری ہو یا نظام تعلیم کی، نصاب مدارس دینیہ ہو یا انتظام مدارس دینیہ ان میں سے کسی بھی قسم کی دخل اندازی چاہے وہ براہ راست ہو یا بالواسطہ، اسے مسترد کرتے ہیں[23]۔

ارباب مدارس میں سے بعض حضرات پاکستان میں ماڈل دینی مدارس کے قیام کو افغانستان میں امریکی دخل اندازی اور تسلط کے پس منظر میں دیکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جس طرح امریکہ نے

افغانستان پر تسلط کے بعد 2003ء میں کابل میں "امریکن یونیورسٹی" کے قیام اور جنوری 2004ء میں افغانستان میں دو سو ماڈرن دینی مدارس کھولنے کا فیصلہ کیا تھا اسی طرح پاکستان میں ماڈل دینی مدارس کا منصوبہ پرویز مشرف حکومت نے امریکہ کی خوشنودی کے لئے متعارف کرایا تھا[24]۔

پرویز مشرف کی حکومت نے مدرسہ ایجوکیشن بورڈ آرڈیننس کو کہ 18 اگست 2001ء کو نافذ کیا۔ادبی محاورہ کی زبان میں بات کی جائے تو آرڈیننس کی سیاہی ابھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ محض 24 دن بعد 11 ستمبر 2001ء میں امریکا میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا حادثہ رونما ہوتا ہے۔اس دہشت گرد کارروائی کی حتمی تفتیش سے پہلے ہی امریکی میڈیا میں اس کی کڑیاں افغان طالبان حکومت سے جوڑی جاتی ہے جن کی بڑی اکثریت کا تعلق دیوبندی مکتبہ فکر کے فضلاء پر مشتمل تھی۔9/11 کے حادثے کے چند ہی دن بعد 29،30 ستمبر 2001ء کو اپنے غیر معمولی اجلاس میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ نے اپنے متفقہ قرار داد کے ذریعے امریکا میں ہونے والے دہشت گرد کارروائی کی مذمت کی اور بے قصور انسانوں کی ہلاکت پر اظہار افسوس کیا نیز اس سانحے میں متاثر ہونے والے افراد اور خاندانوں سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے سانحہ کی غیر جانبدارانہ اور آزادانہ تحقیقات کا مطالبہ کیا اور اس کے لئے بین الاقوامی تحقیقاتی کمیشن قائم کرنے کا مطالبہ کیا[25]، لیکن اس طرح اس دہشت گرد کارروائی سے برات بلکہ مذمتی اعلان کے باوجود امریکی میڈیا اور حکومت تسلسل کے ساتھ طالبان کو مورد الزام قرار دیتے رہے اور پاکستانی حکومت پر دباؤ ڈالتے رہے کہ وہ ان مدارس کو لگام دے۔بعد ازاں 9/11 کے حادثے کی امریکی تحقیقاتی کمیشن نے بھی اپنی رپورٹ میں دہشت گرد کارروائی کے ڈانڈے کسی حد تک پاکستانی مدارس سے جوڑے اور کمیشن نے تجویز دی کہ امریکی حکومت تعلیمی اصلاحات میں پاکستان کی مدد کرے[26]۔

امریکی سانحہ (11 ستمبر 2001) رونما ہونے، طالبان حکومت کے سقوط اور کابل پر امریکی تسلط سے پہلے حکومت پاکستان نے پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ آرڈیننس کا اجراء 18 اگست 2001ء کو کر دیا تھا اس لئے اسے 9/11 کے سانحے کے نتیجے کے طور پر امریکی دباؤ قرار دینے میں کوئی معقولیت نظر نہیں آتی بلکہ یہ 1969ء میں اس مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا چربہ ہے جس کا تصور مشرقی اور مغربی پاکستان کے علماء نے متفقہ طور پر 1969ء میں دیا تھا اور جس کے متعلق علماء کا یہ موقف تھا کہ دینی و دنیاوی تعلیم کی ہم آہنگی کے لئے اگر اسے روبہ عمل نہ لایا جائے تو موجودہ خلیج جوں کی توں برقرار رہے گی یا ملک میں ایک خوفناک نظریاتی خلا پیدا ہو جائے گا۔تاہم چند اہم معروضی حالات کی بناء پر پرائیویٹ سطح پر قائم پاکستانی

مدارس کی ملک گیر فیڈریشن "اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ" پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ" کو 9/11 کے نتیجے میں امریکی دباؤ، بیرونی ایجنڈا اور پاکستانی مدارس کے خلاف ایک منظم گہری سازش قرار دے کر ہر طرح کی مخالفت پر کمربستہ ہوئے۔

ذیل میں علماء کے تحفظات کو واقعاتی پس منظر کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے جن کی بنیاد پر علماء نے پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے متعلق سخت گیر موقف اپنایا:

الف: جنرل پرویز مشرف نے اکتوبر 1999ء میں نواز شریف کی جمہوری حکومت کا تختہ الٹ کر حکومت سنبھالی۔ اقتدار سنبھالنے کے چند روز بعد ایک تقریر میں اپنے آپ کو روشن خیال اور اعتدال پسند ثابت کرنے کے لئے ترکی کے کمال اتاترک (1881-1938ء) کو اپنا آئیڈل اور ہیرو قرار دیا[27] جب کہ علماء اور تاریخ پر نظر رکھنے والے اسلام پسند عوام کی نظر میں اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا کا مذہبی خاکہ زیادہ خوشگوار نہیں کیوں کہ اس نے 1924ء کو خلافت کا نظام ختم کرکے خلیفہ کے خاندان کو جلاوطن کردیا تھا اور جمہوریہ ترکی کے قیام کا اعلان کرکے اسے سیکولر ریاست بنانے کے لئے کئی اقدامات کئے مثلاً: دستور سے سرکاری مذہب اسلام کی شق کا اخراج، ملک بھر میں دینی مدارس اور خانقاہوں پر پابندی لگا کر مذہبی تعلیم کی بندش، پردہ کو قانونی جرم قرار دینا، یورپی لباس پہننے اور ننگے سر رہنے کو ضروری قرار دینا، جمعہ کی چھٹی ختم کرکے اتوار کی چھٹی کا اعلان کرنا، عربی زبان میں قرآن کی اشاعت پر پابندی، ترکی زبان کا عربی رسم الخط منسوخ کرکے رومن رسم الخط اختیار کرنا، نماز و دعا اور قرآن کریم کی تلاوت ترکی زبان میں قرار دینا جیسے اقدامات تاریخ کا حصہ ہیں[28]۔

پرویز مشرف صاحب کا کمال اتاترک کو اپنا ہیرو اور آئیڈیل قرار دینے کا مطلب یہ تھا کہ وہ پاکستان میں اپنے انداز حکمرانی کے لئے کمال اتاترک کو نمونہ سمجھتے ہیں۔ اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان سے پی سی او کے تحت حلف لینے میں حلف نامہ سے ملک کے دستوری نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" سے "اسلامی جمہوری" کے الفاظ حذف کرنا، پاسپورٹ سے مذہب کا خانہ ختم کرنے کی کوشش، میٹرک کے نصاب سے سورۃ توبہ کا اخراج اور حدود آرڈیننس میں ترمیم کی کوششوں جیسے بعد کے اقدامات نے مشرف کے پورے دور حکومت میں علماء کو یہ باور کرائے رکھا کہ وہ پاکستان کو دوسری ترکی بنانا چاہتے ہیں[29]۔

ب: علماء، مدارس دینیہ اور ان کے طلباء کے متعلق پرویز مشرف کی عملیت اور مجموعی لب ولہجہ کبھی زیادہ خوش گوار نہیں رہا۔ مدارس کا دہشت گردی اور انتہا پسندی کے ساتھ تعلق بتانے، مدارس دینیہ کے طلبہ کا ملکی اور بین الاقوامی دہشت گردی میں ملوث قرار دینے، مختلف دینی مدارس پر رات کے اندھیروں بلکہ

دن کی روشنی میں پولیس کے چھاپے مارنے اور مختلف قوانین کے تحت مدارس کے پیچ کسنے نے بھی علماء کی نظروں میں کوئی اچھا میج نہیں چھوڑا اور پھر جامعہ حفصہ اور سانحہ لال مسجد جیسے حادثات نے پرویز مشرف کے مدارس سے متعلق خدشات پر مہر تصدیق ثبت کر دی[30]۔

پرویز مشرف کے مذکورہ پس منظر کے علاوہ دینی اداروں کے متعلق حکومت پاکستان کے ماضی کے واقعاتی رویے بھی علماء کرام کے تحفظات کا باعث بنے ہیں اس سلسلے میں پاکستانی علماء میں معتبر شخصیت جناب زاہد الراشدی (مدیر ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ) کا کہنا ہے:

> دینی مدارس و اداروں پر ریاستی کنٹرول کے بارے میں کچھ تلخ عملی تجربات بھی حکومتی عزائم کے راستے میں رکاوٹ ہیں اور ان تجربات کے بعد دینی تعلیم کے حوالے سے حکومتی نظام پر کسی درجے کا اعتماد قائم ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا مثلاً صدر ایوب خان مرحوم کے دور میں محکمہ اوقاف قائم ہوا تھا جس نے ملک بھر میں ہزاروں مساجد، مزارات اور ان کے ساتھ بیسیوں مدارس کو تحویل میں لے لیا تھا اور یہ کہا تھا کہ ان کا نظام صحیح نہیں ہے اور ان کی مالیات میں گڑبڑ ہوتی ہے اس لئے انہیں سرکاری تحویل میں لیا گیا ہے تاکہ ان کے نظام کو زیادہ بہتر طریقے سے چلایا جائے، لیکن عملاً یہ ہوا کہ نظام پہلے سے بھی خراب ہو گیا جس کا مشاہدہ محکمہ اوقاف کے زیر انتظام مساجد اور عام مسلمانوں کی آزادانہ کمیٹیوں کے تحت قائم مساجد کے نظاموں کا کسی بھی شعبے سے تقابل کیا جا سکتا ہے۔ اوقاف کی تحویل میں جانے کے بعد مدارس کی کارکردگی کی ایک واضح مثال اوکاڑہ کے گول چوک کی جامع مسجد میں قائم جامعہ عثمانیہ کی شکل میں موجود ہے، محکمہ اوقاف کی تحویل میں جانے سے قبل یہ مدرسہ ملک کے اہم مدارس میں شمار ہوتا تھا اور اس میں سینکڑوں طلبہ ہاسٹل میں رہتے تھے مگر اب وہاں کوئی درس گاہ نہیں ہے جب کہ مدرسہ کے کمرے محکمہ اوقاف نے مختلف لوگوں کو کرائے پر دے رکھے ہیں۔ صدر ایوب ہی کے دور میں ریاست بہاولپور باقاعدہ طور پر پاکستان میں ضم ہوئی تو وہاں کا سب سے بڑا دینی مدرسہ جامعہ عباسیہ تھا جسے حکومت نے اپنے تحویل میں لے لیا۔ اسے اسلامی یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا، دینی نصاب تعلیم اور سرکاری نصاب کو ملا کر ایک مشترکہ نصاب تعلیم مرتب کیا گیا، علامہ شمس الحق افغانی، مولانا سید احمد کاظمی اور مولانا

عبدالرشید نعمانی جیسے بہت سے علمائے کرام کو مختلف حصوں سے لاکر بہاولپور میں بٹھایا گیا اور ایک ماڈل دارالعلوم یا ماڈل اسلامی یونیورسٹی کا اعلان کیا گیا لیکن آج اس کی حالت یہ ہے کہ دینی نصاب تعلیم کے مضامین اس کے نصاب سے بتدریج خارج ہو چکے ہیں اور اس کا نصاب اب وہی ہے جو ملک کے دیگر سرکاری یونیورسٹیوں کا ہے۔

ان واقعات سے دینی حلقوں کا یہ ذہن مزید پختہ ہوگیا ہے کہ دینی مدارس پر ریاستی کنٹرول (یا دخل اندازی) سے حکمرانوں کا مقصد یہ ہے کہ یہ مدارس یا تو جامعہ عثمانیہ اوکاڑہ کی طرح بالکل ختم ہو جائیں اور اگر ختم نہیں ہوتے تو جامعہ عباسیہ بہاول پور کی طرح سرکاری تعلیمی نظام میں ضم ہو کر اسی کا حصہ بن جائیں۔ اس وجہ سے بھی دینی مدارس اور ان سے وابستہ دین دار عوامی حلقے مدارس پر ریاستی کنٹرول یا سرکاری محکموں سے کسی درجے کے تعلق کا "رسک" لینے کے لئے تیار نہیں ہیں[31]۔

مذکورہ واقعاتی پس منظر کے نتیجے میں پاکستانی علماء کی ترجمانی فرماتے ہوئے زاہد الراشدی صاحب رائے دیتے ہیں کہ اگر ریاستی نظام تعلیم اپنا قبلہ درست کرلے جو ایک نظریاتی اسلامی ریاست اور حکومت قائم ہونے کے بعد ہی ممکن ہے تو ایک خالص اسلامی نظریاتی ریاست و حکومت کے نظام کی بالادستی قبول کرنے سے دینی مدارس کو قطعی طور پر کوئی انکار نہیں ہو سکتا لیکن سیکولر اہداف رکھنے والے ریاستی نظام کے کنٹرول کو قبول کرنا دینی مدارس کے لئے اپنے بنیادی مشن اور ہدف سے محروم ہو جانا ہوگا، اس لئے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا[32]۔

تجاویز:

مذکورہ بالا بحث کے نتیجے میں حکومت پاکستان اور اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کی خدمت میں درج ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

حکومت سے گزارشات:

1: پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ آرڈیننس ایک فوجی آمر کا جاری کردہ آرڈیننس تھا جس پر کسی پلیٹ فارم پر کھلا مباحثہ (Open Discussion) نہیں کیا گیا تھا۔ موجودہ جمہوری حکومت "اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ" کے ساتھ مفاہمت کی پالیسی اپناتے ہوئے اس پر مکالمہ کرے تاکہ اس کے نتیجے میں یہ آرڈیننس ایک قابل قبول اور متوازن قانونی دستاویز (Balanced Legislation) بنے اور دینی

و دنیوی تعلیم کے امتزاج و ہم آہنگی کا حسین خواب پایہ تکمیل کو پہنچے۔ یہ کام اسی آرڈیننس کی دفعہ 22 (مشکلات کاتدارک) کے تحت بہ سہولت کیا جاسکتا ہے۔

2: حکومت علماء کرام کو معقول دستاویزی قانونی ضمانت دینے پر غور کرے کہ مدارس نظام میں حکومتی عملیت کے نتیجے میں ان کا حشر اوکاڑہ کے جامعہ عثمانیہ یا بہاولپور کے جامعہ عباسیہ جیسا نہیں ہوگا بلکہ دینی و دنیوی تعلیم میں ممکنہ ہم آہنگی و نظام کی بہتری میں معاونت کے ساتھ ساتھ مدارس کی آزادنہ حیثیت کو برقرار رکھا جائے گا۔

3: ڈاکٹر محمود غازی کی ایک موقع پر پیش کردہ تجویز کے مطابق بہاولپور کی جامعہ عباسیہ کا دوبارہ احیاء کیا جائے، اس جامعہ کے سارے وسائل اس کو واپس کئے جائیں اور اس کی عالی شان عمارت (جو بہاولپور شہر کے وسط میں واقع ہے) کو دوبارہ جامعہ عباسیہ کا مرکز قرار دیا جائے۔ جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی عمارت نئے کیمپس میں بننے کے بعد سابقہ عمارتوں کو واپس کرکے جامعہ عباسیہ کا احیاء کرنے میں کوئی انتظامی دشواری حائل نہیں ہونی چاہیے[33]۔

اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ سے گزارشات:

1: معاصر مقتضیات کے پیش نظر از خود تیز رفتار عملی پیش رفت کی منصوبہ بندی پر غور ہو لہٰذا عصر حاضر کے جن ماہرین تعلیم و علمائے کرام نے دینی و دنیوی تعلیم کے ایک جامع تصور پر اظہار خیال کیا ہے اور اس کی ممکنہ تصویر کشی کی ہے ان کے خیالات و نظریات اور طویل علمی تجربات کو سامنے رکھ کر ماتحت مدارس کے لئے ایک جامع نظام کی ترتیب و تشکیل کا عمل کیا جائے۔

2: عصری و دینی تعلیم ایک ساتھ کا نظام جو ادارے چلارہے ہیں ان کے عملی تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے ماتحت مدارس کے لئے ایک قابل قبول طریقہ کار وضع کیا جائے۔ اس سلسلے میں بطور مثال جامعۃالرشید (کراچی)، منہاج القرآن ایجوکیشن سسٹم، دارالعلوم محمدیہ غوثیہ (بھیرہ) اور ادارہ علوم اسلامیہ (اسلام آباد) کے نام پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اہل حدیث مکتبہ فکر کا "جامعہ لاہور الاسلامیہ" حالیہ خوشگوار تجربہ ہے جہاں نہ صرف وفاق المدارس السلفیہ کا نصاب پڑھایا جاتا ہے بلکہ سرگودہا یونیورسٹی کے ساتھ اس کا الحاق ہے اور بی ایس اور ایم فل اسلامک اسٹڈیز سطح تک تدریس و تحقیق کا کامیاب سلسلہ جاری ہے، اس ادارے کی رپورٹیں وقتاً فوقتاً ماہنامہ "محدّث" لاہور میں چھپتی رہتی ہیں، اگر مسلکی اختلافات کو آڑے نہ لایا جائے تو ان مدارس کے تجربات سے باہمی استفادہ کے کافی امکانات ہیں۔

حوالہ جات

[1]پہلی سالانہ رپورٹ (از تاسیس تا 30 ستمبر 2002ء)، پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، اسلام آباد، اکتوبر 2002، ص: 4

[2] مقالات شبلی، شبلی نعمانی، اعظم گڑھ، 1932، جلد: 3، ص: 100

[3]ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت: مناظر احسن گیلانی، دہلی، 1944ء، جلد: 1، ص: 166-168

[4] 1857 کے جنگ آزادی کے بعد انگریز سرکار کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جو انتقامی کارروائیاں ہوئیں، ان کی ایک جھلک کے لئے ملاحظہ ہو: انتقامی جذبات کی دردانگیز داستان از علماء ہند کا شاندار ماضی (حصہ چہارم): سید محمد میاں، جمعیۃ پبلیکیشنز، لاہور، اپریل 2010، ص: 955 ومابعد

[5] یہ سیکولر نظام تعلیم: پروفیسر مسز ثریا علوی، ماہنامہ محدث لاہور، شمارہ: 2، جلد: 34، فروری 2002، ص: 54-55

[6] دینی مدارس کا نصاب ونظام نقد ونظر کے آئینے میں: زاہد الراشدی، الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ، اگست 2007ء، ص: 269,52

[7]ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، جلد: 1، ص: 302-303

[8]مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم، ص: 20

[9]ایضا، ص: 99

[10]مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم، ص: 62

[11] پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، اسلام آباد، پہلی سالانہ رپورٹ، ص: 19

[12]ہمارا تعلیمی نظام: محمد تقی عثمانی، مکتبہ دار العلوم کراچی، 2002، ص: 78

[13] پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، اسلام آباد، پہلی سالانہ رپورٹ، ص: 12

[14]تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ آرڈیننس نمبر XL 2001 مجریہ 18 اگست 2001، وزارت قانون، انصاف اور بنیادی حقوق ڈویژن، حکومت پاکستان اسلام آباد

[15]ملاحظہ ہو: مدرسہ بورڈ کی ہیئت ترکیبی زیر دفعہ 4، پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ آرڈیننس

[16] Govt. of Pakistan, Ministry of Education, Proposals for a New Educational Policy, pp.2-3

[17] علماء کے مجوزہ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے خدوخال، مشرقی اور مغربی پاکستان کے متعلقہ علماء کرام کے ناموں کی فہرست اور مرکزی جمعیت علماء اسلام کی قرارداد کی متن کے سلسلے میں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں:

○ ماہنامہ البلاغ، مدیر: محمد تقی عثمانی، شمارہ جمادی الثانی 1389ھ مطابق اگست 1969 نیز شمارہ رجب المرجب 1389ھ مطابق اکتوبر 1969

o تعلیمی تجاویز پر تبصرہ (علمائے دین اور جدید ماہرین تعلیم کی متفقہ تجاویز) دار العلوم کراچی و مدرسہ عربیہ نیو ٹاون، اگست 1969، ص:13-14

o ہمارا تعلیمی نظام ص:29،30،35،36

[18] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تعلیمی سفارشات (1962-1993) اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد فروری 1993، پرنٹنگ پریس آف پاکستان، ص:19تا25

[19] ایضا، ص:43

[20] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: رپورٹ ڈاکٹر ممتاز احمد، شائع شدہ ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، شمارہ ستمبر 2000

[21] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بنگلہ دیش کے دینی مدارس، شائع شدہ کتاب "دینی مدارس کا نصاب و نظام نقد و نظر کے آئینے میں"، ص:215-219، نیز بنگلہ دیش میں دینی مدارس ، ڈاکٹر ممتاز احمد، ماہنامہ وفاق المدارس ملتان ، 2006، شمارہ:3، ص:24

[22] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ منعقدہ 29،30 ستمبر 2001 کی متفقہ طور پر منظور کردہ قرار دادیں: سہ ماہی وفاق المدارس ملتان، شمارہ:4، جلد:2، 1422ھ، ص:11-12

[23] ایضا، ص:23،24

[24] تاریخ افغانستان: مولانا محمد اسماعیل ریحان (استاد تاریخ اسلام جامعۃ الرشید کراچی)، بیت السلام پبلشرز، کراچی، اکتوبر 2011، جلد:2، ص:286

[25] سہ ماہی وفاق المدارس ملتان، 1422ھ، شمارہ:4، جلد:2، ص:11

ā[26]The 9/11 Commission Report: Final Report of National Commission on Terrorist Attacks Upon the United States (New York: WW Norton & Company, 2004), 367-369

[27] ملاحظہ ہو: مضمون جنرل پرویز مشرف کے دو چہرے: سیکولرزم یا اسلام، ماہنامہ محدث، لاہور، شمارہ: 2 جنوری 2002ء، ص:2-10

[28] مقالہ اتاترک، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، بار اول اکتوبر 1993، جلد:1، ص:961-986

[29] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: جنرل پرویز مشرف کا دور اقتدار، باب "مملکت کا نظریاتی تشخص اور پرویز حکومت کے اقدامات"، زاہد الراشدی، الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ، جون 2008، ص:165-251

[30] ایضا، پرویز حکومت اور دینی مدارس: ص:317-360، نیز 375-452

[31] دینی مدارس کا نصاب و نظام نقد و نظر کے آئینے میں، ص:61،62،95

[32] ایضا، ص:61

[33] مسلمانوں کا دینی و عصری نظام تعلیم، ص:101